کمزوروں اور یتیموں کے حقوق کا تحفظ سورہ نساء کے حوالے سے

ولید محمد عبدالعزیز الحمد

تلخیص وترجمہ: محمد اسماعیل اصلاحی

اسلام نے یتیموں پر بے پناہ عنایات کی ہیں۔ جن کا تذکرہ قرآن مجید کی مکی سورتوں میں خاص طور پر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ الضحیٰ، سورہ الماعون اور سورہ الانعام کی درج ذیل آیات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ "أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَآوَى" (الضحیٰ: ۹۳/۶) کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟

۲۔ "أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ . فَذَلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ" (الماعون: ۱۰۷/۲۔۱) کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

۳۔ "قُلْ تَعَالَوْاْ أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلاَّ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلاَدَكُم مِّنْ إمْلاَقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلاَ تَقْرَبُواْ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ. وَلاَ تَقْرَبُواْ مَالَ الْيَتِيمِ إِلاَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ" (الانعام: ۱۵۲/۶۔۱۵۱) اے نبی ﷺ، ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں: یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے

ہیں اور ان کو بھی دیں گے، اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی۔ اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔ یہ باتیں جن کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے شاید کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد کو پہنچ جائے۔

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے مال میں تصرف کے احکام قرآن مجید کی مدنی سورتوں میں متعدد جگہ بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً سورہ بقرہ میں فرمایا:

"وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ" (البقرۃ:۲/۲۲۰) پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کہو: جس طرز عمل میں ان کے لیے بھلائی ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر وہ تمہارے بھائی بند ہی تو ہیں۔ برائی کرنے والے اور بھلائی کرنے والے دونوں کا حال اللہ پر روشن ہے۔ اللہ چاہتا تو اس معاملہ میں تم پر سختی کرتا۔ مگر وہ صاحب اختیار اور صاحب حکمت ہے۔

سورہ نساء میں یتیموں کے مال، ان کی میراث اور ان کے نکاح کے تعلق سے کئی آیتیں موجود ہیں۔

اسی طرح بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی یتیموں کی دیکھ ریکھ، ان کی کفالت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی درج ذیل روایت میں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: آنا و کافل الیتیم فی الجنة هکذا، واشار بالسبابة و الوسطی و فرج بینهما شیئا[۱]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے بیچ سے کوئی چیز گزار دی۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: خیر بیت فی المسلمین بیت فیه یتیم یحسن الیه و شر بیوت المسلمین بیت فیه یتیم یساء الیه[۲]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوگ کیا جائے۔اور مسلمانوں کے گھروں میں سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔

مختصر یہ کہ اسلام سے پہلے یتیموں پر جو ظلم و زیادتی ہورہی تھی اسے ختم کرنے کے لیے اسلام نے متعدد ہدایات دیں۔ کیوں کہ اسلام کی آمد سے قبل عرب یتیم کو میراث کے حق سے یہ کہہ کر محروم کر دیتے تھے کہ یہ ہتھیار اٹھانے اور قبیلہ کے دفع پر قادر نہیں ہیں۔ اسی طرح یتیم بچیوں کی شادی بھی نہیں کرتے تھے تا کہ ان کے مال سے فائدہ اٹھائیں اور ان کے حسن و جمال سے لطف اندوز ہوں۔

جب اسلام آیا اور اس نے کمزوروں کے غصب کردہ حقوق کو لوٹانا چاہا تو اس نے سب سے پہلے اسی کمزور طبقہ کو ان کا حق دلایا۔ اسلام نے واضح کیا کہ یتیم لڑکے اور لڑکیاں دونوں برابر ہیں۔اور ان کا بھی میراث میں اسی طرح حق ہے جس طرح بڑوں کا ہے۔ساتھ ہی ان پر ظلم کرنے والوں کو سخت عذاب کی وعید بھی دی ہے۔

یتیم کے لغوی معنی

یتیم کا مادہ (ی ت م) ہے۔لغت میں اس مادہ سے جو معنی معلوم ہوتا ہے وہ ہے ''الانفراد''اور ''الفرد'' جیسا کہ لسان العرب میں ابن المنظور نے بیان کیا ہے۔

الیُتم: الانفراد، والمیتم: المفرد من کل شی والیتیم: الفرد و الجمع ایتام و یتامیٰ و یتیمة[۳]، ابن شمیل فرماتے ہیں۔ **هو فی میتمة ای فی یتامی و یقال للمرأة: یتیمة**

ابن عرابی کہتے ہیں کہ دونوں بچے یتیم ہی کہے جائیں گے جیسا کہ ابو العارم الکلابی کے اس شعر سے واضح ہوتا ہے۔

فبت اشوی صبیتی و حلیلتی   طریا وجرو الکلب یتمان جائع
(میں اپنی بچی اور اپنی بیوی کو تازہ بھنا ہوا گوشت کھلا رہا تھا اور کتے کا بچہ یتیم اور بھوکا تھا۔)
اس سے واضح ہوا کہ ہر مفرد شے جس کی کوئی نظیر یا مثل نہ ہو اسے یتیم کہا جائے گا یا وہ یتیم ہے۔
اصمعی کہتے ہیں: و کل منفرد و منفردۃ عند العرب یتیم یتیمۃ (ہر منفرد چیز یتیم یا یتیمہ ہوتی ہے)۔

شرعی معنیٰ

شریعت میں یتیم کا اطلاق اس بچے پر ہوگا جس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو۔ اس تعلق سے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ "بنی آدم میں یتیم وہ ہے جس نے اپنے باپ کو کھو دیا ہو اور جانوروں میں یتیم وہ ہے جس نے اپنی ماں کو کھو دیا ہو"[۴]۔

ابن السکیت کہتے ہیں کہ: انسانوں میں یتیم وہ ہے جس کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو۔ اور جانوروں میں یتیم اسے کہیں گے جس کی ماں کا انتقال ہو گیا ہو۔ اور اگر انسانوں میں سے کسی کی ماں کا انتقال ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے بلکہ وہ منقطع کہلائے گا[۵]۔

یہ یتیم کا شرعی معنی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لفظ یتیم کا اطلاق بچہ کے سن بلوغت کو پہنچ جانے کے بعد بھی ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یتیم کا اطلاق اس چھوٹے بچے پر ہوگا جس کے والد انتقال کر گئے ہوں۔ لیکن جب وہ بالغ ہو جائے گا تو اس کی صفت یتیمیت زائل ہو جائے گی اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ لا یتیم بعد احتلام ولا صمات یوم الی اللیل[۶]، احتلام (بلوغ) کے بعد یتیمی نہیں ہے اور نہ خاموشی ہے دن بھر کی رات تک۔ نبی ﷺ نے یتیمیت کو سن بلوغ تک محدود فرما دیا ہے اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

رفع القلم عن الثلاثۃ: عن الصبی حتیٰ یحتلم او یستکمل خمس عشرۃ سنۃ وعن النائم حتیٰ یستیقظ وعن المجنون حتی یفیق[۷]، (تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، بچے سے جب تک اسے احتلام نہ ہو، یا پندرہ سال کا نہ

ہو جائے ، اور سوتے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے ، اور مجنوں سے جب تک ہوش میں نہ آئے)۔ اس سلسلہ میں علامہ زمخشری فرماتے ہیں:

وحق هذالاسم ای الیتیم ان یقع علی الصغار والکبار لبقاء الانفراد عن الآباء الاانه فی العرف اختص هذا الاسم بمن لم یبلغ مبلغ الرجال ، فاذا صار بحیث یستغنی بنفسه فی تحصیل مصالحه عن کافل یکفله و قیم یقوم بامره زال عنه هذا الاسم، وکانت قریش تقول لرسول الله صلی علیه وسلم : یتیم ابی طالب، اما علی القیاس، واما علی حکایة الحال التی کان علیها حین کان صغیراً نشأ فی حجر عمه توضیحا له ، واما قوله علیه السلام "لا یتیم بعد احتلام" فهو تعلیم الشریعة لا تعلیم اللغة یعنی اذا احتلم فانه لا تجری علیه احکام الصغار ۸۔

اس اسم یعنی یتیم کا اطلاق ہر اس چھوٹے اور بڑے بچے پر ہوگا جو اپنے باپ کے سایہ عاطفت کے بغیر زندگی گزار رہا ہو۔ مگر عرف میں یتیم کا لفظ خاص ہے اس کے لیے جو سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو۔ اور جب وہ اس عمر کو پہنچ جائے کہ اپنے معاملات میں بے نیاز ہو جائے اور اپنی کفالت خود کرنے لگے اور اپنی ذمہ داریوں کو خود انجام دینے لگے تو یتیم کا اطلاق اس پر نہیں ہوگا۔ قریش نبی ﷺ کو ابو طالب کا یتیم قیاس کرنے کی بنیاد پر یا صورت حال کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے کہتے ہیں کیوں کہ جب آپ ﷺ بچے تھے تو آپ ﷺ کی پرورش و پرداخت آپ کے چچا کے گھر میں ہوئی تھی۔ اور رہا نبی ﷺ کا یہ قول کہ "**لا یتیم بعد الا حتلام**" تو یہ شریعت کی رو سے ہے، لغوی اعتبار سے نہیں ہے، یعنی جب کوئی بچہ محتلم ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اب بچوں کے احکام نافذ نہیں ہوں گے۔

امام رازی نے بھی اپنی تفسیر میں یتیم کے یہی معنیٰ بیان فرمائے ہیں۔

ان اسم الیتیم بحسب اصل اللغة یتناول الصغیر و الکبیر الا انه بحسب العرف مختص بالصغیر ۹۔

کہ یتیم لفظ لغت کے اعتبار سے بڑے چھوٹے سب پر دلالت کرتا ہے اور عرف کے مطابق یتیم صرف وہ کہلائے گا جو چھوٹا ہو۔

یتیم سورہ نساء کی روشنی میں

سورہ نساء کا نام النساء اسی لیے ہے کہ اس میں دوسری سورتوں کی بنسبت نساء یعنی عورتوں کے مسائل زیادہ بیان ہوئے ہیں۔ اس کی ابتداء میں ہی لوگوں کو نصیحت کی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کیا اور کتنی عمدہ تمہید ہے کہ نکاح، میراث، زوجین کے حقوق اور نسب و مصاہرت وغیرہ کے ساتھ ساتھ عورتوں کے متعلق احکام بھی بہت عمدگی سے بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی نے اس سورہ کی ابتداء اس طرح فرمائی ہے۔ یاایھاالناس......اور اس کی انتہاء یستفتونک ہے۔ یہ سورہ بالاجماع مدنی ہے۔ لیکن امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سورہ کی ایک آیت جو عثمان بن طلحہ کے سلسلہ میں ہے وہ مکی ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ "إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا" (النساء: ۵۸/۴) نقاش فرماتے ہیں کہ یہ سورہ ہجرت کے وقت نازل ہوئی۔ جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت مدینہ ہی میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ سورہ نساء نازل ہوئی تو میں رسول ﷺ کے ساتھ تھی۔ یعنی حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہو چکی تھی اور علماء کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت عائشہؓ کی رخصتی مدینہ میں ہوئی۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ جو کچھ احکامات اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں وہ سب مدنی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ سورہ نساء مدینہ میں نازل ہوئی۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء یاایھاالناس ......اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکی ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ بقرہ مدنی سورہ ہے، اس میں بھی دو جگہوں پر ''یا ایھاالناس" آیا ہے[۱۰]۔

اس سورہ کے فضائل کے تعلق سے عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ قرآن سناؤ؟ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں جب کہ قرآن آپ ہی پر نازل ہوا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ میں دوسروں سے قرآن سنوں، ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سورہ نساء

کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بک علی هؤلاء شهیدا (النساء ۴/۴۱) پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا بس کرو۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ سے ایک اور روایت حاکم نے متدرک میں نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ان فی سورة النساء لخمس آیات ما یسرنی ان لی بهن الدنیا و ما فیها (سورہ نساء کی پانچ آیتیں ایسی ہیں جو میرے لیے انتہائی خوشی کا باعث اور دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ اور وہ یہ ہیں)۔

(۱)"إِن تَجْتَنِبُواْ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ" (النساء: ۴/۳۱) اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جارہا ہے تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کردیں گے۔

(۲)"إِنَّ اللّهَ لاَ يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ"(النساء:۴/۴۰) (اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا)۔

(۳)"وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُواْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّهَ" (النساء: ۴/۶۴) (جب یہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھے تھے تو تمہارے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے)۔

(۴)"إِنَّ اللّهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ" (النساء:۴/۴۸) (اللہ بس شرک کو ہی معاف نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ دوسرے جس قدر گناہ ہیں جس کے لیے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے)۔

(۵)"وَمَن يَعْمَلْ سُوءاً أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّهَ يَجِدِ اللّهَ غَفُوراً رَّحِيماً" (النساء:۴/۱۱۰)[۱۱]۔ (اگر کوئی شخص برا فعل کرگزرے یا اپنے نفس پر ظلم کرجائے اور اس کے بعد اللہ سے درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور رحیم پائے گا)۔

اسی طرح حضرت قتادہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آٹھ ایسی بیش قیمت آیتیں نازل فرمائی ہیں جو اس امت

کے لیے بہت زیادہ بہتر ہیں اور انھوں نے بھی انہی آیات کا ذکر کیا جنھیں حضرت ابن مسعودؓ نے کیا۔ البتہ انھوں نے اس میں ''یریداللہ لیبین لکم''، ''یرید اللہ ان یتوب علیکم'' اور ''یرید اللہ ان یخفف عنکم'' کا اضافہ کیا[۱۲]۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے سورہ نساء کے بارے میں پوچھا جاتا تو میں قرآن کی تلاوت کرتا تھا اس وقت میں چھوٹا تھا۔ اسی طرح ان سے یہ بھی مروی ہے وہ کہتے ہیں جو سورہ نساء کو سمجھ کر پڑھ لے گا وہ علم فرائض سے بخوبی واقف ہو جائے گا[۱۳]۔

سورہ نساء میں گیارہ آیتیں ایسی ہیں جو یتیموں سے متعلق ہیں۔ اور وہ آیتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ وَآتُواْ الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُواْ الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِيراً (النساء:۴/۲)

۲۔ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلاَّ تَعُولُوا (النساء:۴/۳)

۳۔ وَآتُواْ النَّسَاء صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَّرِيئاً (النساء:۴/۴)

۴۔ وَابْتَلُواْ الْيَتَامَى حَتَّىَ إِذَا بَلَغُواْ النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُواْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَأْكُلُوهَا إِسْرَافاً وَبِدَاراً أَن يَكْبَرُواْ وَمَن كَانَ غَنِيّاً فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُواْ عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللّهِ حَسِيبًا (النساء:۴/۶)

۵۔ لِّلرِّجَالِ نَصيِبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً (النساء:۴/۷)

۶۔ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُوْلُواْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفاً (النساء:۴/۸)

۷۔وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُواْ مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافاً خَافُواْ عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّهَ وَلْيَقُولُواْ قَوْلاً سَدِيداً(النساء:۴/۹)

۸۔إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً(النساء:۴/۱۰)

۹۔يُوصِيكُمُ اللّهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاء فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَآؤُكُمْ وَأَبناؤُكُمْ لاَ تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً فَرِيضَةً مِّنَ اللّهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيما حَكِيماً(النساء:۴/۱۱)

۱۰۔وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً(النساء:۴/۳۶)

۱۱۔وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاء قُلِ اللّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاء اللاَّتِي لاَ تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَن تَقُومُواْ لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِهِ عَلِيماً(النساء:۴/۱۲۷)

یتیموں کے متعلق سورہ نساء کی ان آیات کو ہم موضوعات کے اعتبار سے درج ذیل چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) آیت نمبر۲، ۶ اور ۱۰ کا تعلق یتیم کے مالی معاملات سے ہے۔

(۲) آیت نمبر۷، ۸، ۹ اور ۱۱ کا تعلق میراث کے احکام سے ہے۔

(۳) آیت نمبر۳، ۴ اور ۱۲۷ میں یتیم کے نکاح کے مسائل سے بحث کی گئی ہے۔

(۴) دو آیتیں ۸ اور ۳۶ ایسی ہیں جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی بات کی گئی ہے۔

ان آیات سے مستنبط احکام کی توضیح آئندہ سطور میں پیش کی جارہی ہے۔

یتیم کے مال کی حفاظت اور نگرانی کے تعلق سے سورہ نساء میں خاص ہدایت دی گئی ہے۔اس میں تین آیات ایسی ہیں جن کے ذریعہ یتیموں کے حقوق کے تحفظ کو اہمیت دی گئی ہے۔

یتیم کے مال کی حفاظت

یتیموں کے مال کے تحفظ کے تعلق سے سورۂ نساء میں تین آیتیں ملتی ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ وَآتُواْ الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُواْ الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِيراً (النساء:۲/۴)

۲۔وَابْتَلُواْ الْيَتَامَى حَتَّىَ إِذَا بَلَغُواْ النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُواْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَأْكُلُوهَا إِسْرَافاً وَبِدَاراً أَن يَكْبَرُواْ وَمَن كَانَ غَنِيّاً فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُواْ عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللّهِ حَسِيبًا (النساء:۶/۴)

۳۔إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً (النساء:۱۰/۴)

مذکورہ آیات پر غائرانہ نظر ڈالی جائے تو یتیموں کے مال کے تحفظ کے تعلق سے درج ذیل پانچ صورتیں بنتی ہیں۔

(۱) یتیم کے مال میں تجارت

(۲) یتیم کے مال کو قبضہ میں رکھنے کے شرائط

(۳) یتیم کے مال کو قبضہ میں لیتے وقت گواہ مقرر کرنا

(۴) یتیم کے مال کو ظلماً کھانے کی ممانعت

(۵) یتیم کے مال کو معروف طریقہ سے استعمال کرنا

۱-یتیم کے مال میں تجارت:

سورنساء کی آیت (۵) ''وارزقوھم فیھا'' سے یتیم کے مال میں تجارت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور بیع ومضاربت کے ذریعہ یتیم کے مال کو بارآور بنانے کی غرض سے اسے تجارت میں لگانے کا قانونی جواز ملتا ہے۔''وارزقوھم فیھا'' سے اس کا جواز اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے فی نفسہ مال کو انفاق کا ظرف قرار دیا ہے۔اس طرح سے کہ یتیم پر خرچ اس کے اصل مال سے نہ ہو بلکہ منافع سے ہو۔اسی نکتہ کی طرف امام رازی نے بھی اشارہ کیا ہے کہ اللہ نے لفظ'' فیھا 'استعمال کیا ہے نہ کہ''منھا''۔تاکہ یتیم کا ولی اس کا اصل مال ہی اس پر خرچ نہ کرے بلکہ اس کی تجارت کر کے اس کا منافع اس پر خرچ کرے[۴]۔ یہ تو ایک نقطۂ نظر تھا۔ایک دوسرے پہلو سے دیکھیں تو ایک دوسری آیت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یتیم کے مال میں تجارت اس کے مال کو صرف بارآور بنانے کی غرض سے کی جاسکتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔

''وَلاَ تَقْرَبُواْ مَالَ الْيَتِيمِ إِلاَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ''(الانعام:۶/۱۵۲)(مال یتیم کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین ہو)۔

اسی آیت سے مفسرین یہ مسئلہ مستنبط کرتے ہیں کہ یہ آیت یتیم کے مال میں تجارت کے جواز کی دلیل ہے۔الا بالتی ھی احسن کی تفسیر کرتے ہوئے ضحاک فرماتے ہیں کہ ولی یتیم کے مال میں اپنا رزق تلاش کرسکتا ہے۔اس کے مال میں سے کچھ لینے کے ذریعہ[۵]۔مجاہد نے''الا بالتی ھی احسن'' کی تفسیر''بالتجارۃ فیہ '' سے کی ہے[۶]۔ ابن عربی نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی عمدہ بات کہی ہے۔اور وہ یہ کہ یہ آیت یتیم کے مال میں تجارے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں''وھذہ الآیۃ دلت علی جواز عمل الوصی فی مال الیتیم اذا کان حسنا حتی یبلغ اشدہ''[۷]۔(اور یہ آیت یتیم کے مال میں وصی کے عمل کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔بشرطیکہ اچھے طریقے

سے ہو۔ یہاں تک کہ یتیم سن رشد کو پہنچ جائے)۔

اس سلسلہ میں بصاص بھی یہی مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں ''یتیم کے مال میں تصرف اس شخص کو حاصل ہے جو اس کا نگراں یا ولی ہو۔ خواہ دادا یا باپ کی طرف سے وصی ہو۔ ان تمام چیزوں میں جس کا نفع اس کو حاصل ہو۔ اس لیے کہ اصل و مستحسن عمل یتیم کے مال کی حفاظت اور اس کو بارآور بنانا ہے۔ اس لیے یتیم کے مال میں خرید وفروخت اس صورت میں جائز ہوگی کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اب چاہے مثل قیمت پر خرید وفرخت کرے یا مثل قیمت سے کچھ کم قیمت پر جیسی لوگوں کو طلب ہو۔ اس لیے کہ لوگ نفع میں کمی زیادتی دونوں کرتے ہیں۔ جب ثابت ہو جائے کہ بازار میں لوگ زیادہ ہی نفع لے کر فروخت کر رہے ہے تو اتنی زیادہ بڑھی ہوئی قیمت میں یتیم کے مال سے خریداری کرنا جائز نہیں ہے جس میں لوگ ٹھگا ہوا محسوس کریں۔ اس لیے کہ اس میں یتیم کے مال میں نقصان کا اندیشہ ہے اور اللہ تعالی نے فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب نہ پھٹکو مگر اچھے طریقے سے۔ اس آیت سے یتیم کے مال کو اجارے پر دینے اور اس کے ذریعہ مضاربت کا جواز فراہم ہوتا ہے، جیسا کہ عمرو بن شعیب سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا سے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم یتیم کے مال میں واقعی بھلائی چاہتے ہو تو اس میں تجارت کرو تا کہ وہ کم نہ ہو۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اگر یتیم کا فائدہ اس میں ہو کہ وصی خود اس کے مال کو خریدے تو ایسا کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں اگر معروف قیمت سے زیادہ خریدے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ امام محمد اور امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی جائز نہیں ۱۸۔

یہاں ان روایات کو نقل کر دینا افادیت سے خالی نہ ہوگا جو کہ یتیم کے مال میں تجارت کی مشروعیت کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہیں۔

- عن انس بن مالک رضی الله عنه قال،قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اتجروا فى اموال اليتامى حتى لا تاكلها الزكاة ۱۹۔

(حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا تجارت کرو یتیموں کے مال میں تاکہ زکوۃ ان کو تمام نہ کردے)۔

- عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم، خطب فی الناس فقال : الامن ولی یتیماله مال فلیتجر فیه ولایترکه حتی تاکله الصدقة ۲۰۔ (عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: خبردار رہو، جس کے پاس یتیم کا مال ہوتو وہ اس میں تجارت کرے اور اس کو یوں ہی نہ چھوڑ دے کہ زکوٰۃ اس کو تمام کردے)۔

- روی عن عمر انه قال:اتجروا فی اموال الیتامی حتی لا تاکلها الزکاة ۲۱۔ (ابن عمرؓ نے فرمایا تجارتے کرو یتیموں کے مال میں تاکہ زکوٰۃ ان کو تمام نہ کردے)۔

مذکورہ روایات سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یتیم کے مال میں تجارت ضروری ہے۔ بشرط کہ کسی حرام چیز میں نہ ہوتا کہ اس کا مال باقی رہے، جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

- عن ابی طلحة رضی اللہ عنه قال، قال لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: یانبی اللہ ﷺ، انی اشتریت خمراً لا یتام لی فی حجری ، فقال: اهرق الخمر واکسر الدنان ۲۲۔ (حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ میں نے اپنے زیر سرپرستی یتیموں کے مال سے شراب خرید اہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شراب کو بہا دو اور اس کے برتن کو توڑ دو)۔

۲- یتیم کو مال سونپنے کے شرائط

آیت کریمہ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کو بغیر آزمائے یا سن رشد کو پہنچے ان کا مال ان کے سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔

"وَابْتَلُواْ الْيَتَامَى حَتَّىَ إِذَا بَلَغُواْ النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُواْ

إِلَيۡهِـمۡ أَمۡوَالَهُمۡ " (النساء:۶/۴)(اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کردو)۔

اس سے معلوم ہوا کہ درج ذیل تین شرطیں پوری کرنے کے بعد ہی یتیم کا مال اس کے حوالے کیا جاسکتا ہے۔ ایک آزمانا، دوسرے بلوغ اور تیسری شرط رشد ہے۔

ابتلاء (آزمانا)

اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے"وابتلوا الیتامی "یعنی یتیم کو جانچ پرکھ لیا جائے کہ وہ مال کو صحیح طریقے سے خرچ کر پائے گا یا نہیں۔ اب اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی تاجر کا بیٹا یتیم ہو جائے جو کہ خرید وفروخت کا تجربہ رکھتا ہو۔ اسی طرح سے اگر کوئی کسان کا بیٹا ہو جو کہ کھیتی باری دیکھے بھالے ہو، یا دستکار کا بیٹا جسے دستکاری کا تجربہ ہو یا اسی طرح سے عورت جو امور خانہ داری میں ماہر ہو۲۳۔

امام شوکانی "الابتلاء" کے معنی پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اختبار کے معنی میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق ابتلا کا مطلب خاص طور سے مالی معاملات میں یتیم کی سوجھ بوجھ اور اس کے اخلاق کو جانچنا و پرکھنا یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائے یا سن رشد کو۔ ایک قول کے مطابق اختبار یہ ہے کہ کسی کو مال دے دیا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ وہ اس میں تصرف کر پاتا ہے کہ نہیں۔ اختبار کے معنی یہ دیکھنا بھی ہے کہ یتیم گھر کے معاملات واخراجات کی دیکھ ریکھ کرسکتا ہے کہ نہیں۲۴۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ "ابتلاء" یعنی جانچنا و پرکھنا یہ بلوغت سے پہلے کا مرحلہ ہے۔ یہی بات مفسرین بھی کہتے ہیں جیسا کہ جصاص فرماتے ہیں:

امرنا باختبار هم قبل البلوغ ،لانه قال:"وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا لنكاح" فامر بابتلائهم فی حال كونهم يتامى، ثم حتی اذا بلغوا لنكاح، فاخبر ان بلوغ النكاح بعد الابتلاء لان "حتی" غاية مذكورة بعد الابتلاء" ۲۵۔ (ہمیں بلوغیت سے پہلے آزمانے کا حکم دیا ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اللہ تعالیٰ نے انھیں یتیم ہونے کی

حالت میں آزمانے کا حکم دیا ہے۔ پھر جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تو اس نے خبر دیا ہے کہ نکاح کی عمر کو پہنچنا۔ اس لیے ''حتی'' کی غایت ابتلا کے بعد مذکور ہوئی ہے)۔

بلوغ

بلوغ کے سلسلہ میں علماء کی رائے یہ ہے کہ بعض فطری علامات ظاہر ہونے سے بلوغت ثابت ہوگی۔ بعض علامات کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اوراگر بلوغ کی فطری علامات میں سے کوئی بھی علامت ظاہر نہ ہوتو بلوغ کے سلسلہ میں عمر کا اعتبار کیا جائے گا۔ فقہی کتب میں بلوغ کی فطری علامات کے ضمن میں احتلام یا انزال کا ذکر کیا جاتا ہے اور عورتوں کے سلسلہ میں حیض یا حمل کو بلوغ کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔

بلوغ کی عمر

اگر بلوغ کے طبعی آثار وعلامت ظاہر نہ ہوں تو عمر کے ذریعہ بلوغ کی پہچان کی جائے گی۔ زیادہ تر علماء کی رائے میں پندرہ سال کی عمر بلوغت کے لیے معیار ہوگی۔ یہ رائے امام شافعی، احمد اور مالکیہ کی ہے ۲۶۔ اصبغ بن الفرج کہتے ہیں کہ فرائض اور حدود کے نفاذ کے لیے بلوغ کی حد پندرہ سال ہے۔ یہ میرے نزدیک پسندیدہ اور مستحسن ہے۔ اس لیے کہ یہ ایسی حد ہے جس کے تحت جہاد و مال غنیمت وغیرہا کے احکام کا نفاذ ہوتا ہے ۲۷۔ اس رائے کے قائلین ابن عمرؓ سے مروی حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

عرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد وانا ابن اربع عشرۃ سنۃ فلم یجزنی وعرضت علیہ یوم الخندق وانا ابن خمس عشرۃ سنۃ و اجازنی ۲۸۔ (حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن ہم نبی ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں دی کہ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی اور خندق کی لڑائی کے موقع پر میں جب میں حاضر کیا گیا تو آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔ اس وقت پندرہ سال کا تھا)۔

اس رائے کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، انہ قال: رفع القلم عن ثلاثۃ: الصبی

حتی یحتلم او یستکمل خمس عشرۃ سنۃ وعن النائم حتی یستیقظ وعن المجنون حتی یفیق ۲۹۔ (نبی ﷺ نے فرمایا تین لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے، بچہ جب تک وہ محتلم نہ ہو جائے یا پندرہ سال کی عمر کو نہ پورا کرلے، اور سویا ہوا جب تک بیدار نہ ہو جائے، اور مجنون جب تک ہوش میں نہ آجائے)۔

اس روایت میں واضح طور پر بلوغ کی عمر پندرہ سال بیان کی گئی ہے۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ لڑکوں کے لیے بلوغت کی عمر ۱۸ سال ہے اور لڑکیوں کے لیے ۱۷ سال ہے ان کی دلیل **لا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ** کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ:

اشد الصبی ثمانی عشرۃ سنۃ فکان حدّا بالسن فی مقابل الحد بالطبیعۃ وھو القدرۃ علی التناسل البلوغ الطبیعی اقل من الحد الادنی للغلام فکان من الضروری ان یکون الحد الا علی لھا اقل فقدروا الفرق بسنۃ واحدۃ ۳۰۔ (بچہ سن رشد کو ۱۸ سال کی عمر میں پہنچتا ہے یہ عمر کے لحاظ سے بلوغ کی حد ہے جب کہ حد طبعی افزائش نسل پر قدرت ہے۔ اس سے کم عمر پر جو لڑکے کی بلوغت کی کم سے کم عمر ہے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ بلوغت کی جو کم سے کم مدت ہے اس کا اعتبار کیا جائے۔ اور لوگوں نے اس فرق کا اندازہ لگایا ہے ایک سال)۔

رشد

یتیم کا مال اس کے حوالے کرنے کے لیے ''رُشد'' کا پایا جانا ایک لازمی شرط ہے۔ مگر علماء میں اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے تین اقوال ہیں۔

پہلا قول

جمہور شافعیہ، اکثر اصحاب مالک اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ کی رائے میں رشد دین اور مال دونوں میں بہتر ہونا ہے۔ جو مال کو برباد کرے یا فاسق ہو تو اس پر پابندی لگادی جائے اور اس کو مال نہیں دیا جائے گا ۳۱۔

اس رائے کے حاملین کا کہنا ہے کہ فاسق تو بے وقوف سے بھی بڑھ کر ہے اس

لیے اس کو مال نہیں دیا جائے گا۔ فاسق بے راہ ہے اس لیے فاسق پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، مال کی حفاظت کے تعلق سے ہوسکتا ہے وہ خواہشات نفسانی کی اتباع میں مال کو تلف کردے لہذا اس پر پابندی لگادی جائے گی جس طرح مال کے بیجا خرچ کرنے والے پر لگائی جاتی ہے۳۲۔

دوسرا قول

حنفیہ، مالکیہ میں سے ابن قاسم اور ایک قول کے مطابق شافعیہ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ رشد کا مطلب صرف مال کے خرچ کرنے میں اہلیت کا پیدا ہونا ہے، چنانچہ جو مال کو صحیح طریقہ پر خرچ کرسکتا ہے اس پر پابندی نہیں لگائی جائے گی۔ مال اس کے حوالہ کردیا جائے گا چاہے وہ فاسق ہو۳۳۔ ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ "فان آنستم منهم رشدا" میں لفظ "رشد" نکرہ استعمال ہوا ہے اور نکرہ موضع اثبات میں خاص ہوتا ہے عام نہیں۔ لہذا اس سے یہاں رشد واحد ہی مراد ہوگا اور رشد واحد صلاح فی المال میں پالیا گیا ہے۔ اس لیے صلاح فی المال کے ساتھ صلاح فی الدین کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ "رشداً" جو کہ موضع اثبات میں نکرہ واقع ہوا ہے اس سے دور رشد مراد نہ ہوگا۔ اور اس لیے بھی ایک شخص احکام کا مکلّف ہے اور اپنے مال کو خرچ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تو اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے۔ اور ان کے لیے "لاتوتوا السفهاء" دلیل نہیں بن سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے اموالکم میں "کم" ضمیر استعمال کیا ہے۔ "هم" نہیں کیا ہے۔ زجاج نے "آنستم" کی تفسیر "علمتم" سے کیا ہے۔ اور رشد کی تفسیر "الطريقة المستقيمة التی تتقون معها انهم يحفظون اموالهم" سے کی ہے۔ یعنی ایسا سیدھا راستہ کہ جس کے ساتھ تمہیں اعتماد اور یقین ہو کہ وہ لوگ اپنے اموال کی حفاظت کرلیں گے۳۴۔

تیسرا قول

ظاہریہ کے نزدیک رشد سے مراد صلاح فی الدین ہے۔ اس لیے کہ جو شخص فرائض ومباحات مثلاً خرید وفروخت وہبہ وغیرہ بجالانے کا اہل ہو اور معصیت کے کاموں سے دور رہے تو اس کا فیصلہ یا حکم نافذ ہوگا۳۵۔

جولوگ رشد سے محض ''صلاح فی المال'' (مالی معاملات میں پختگی) مراد لیتے ہیں ان کے مقابلے یہ رائے زیادہ راجح ہے۔ اس لیے کہ آیت میں ''رشد'' لفظ نکرہ ہے تو اس سے مال میں ایک خاص طرح کی بہتری ثابت ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت بعض مفسرین نے کی ہے۔ جیسا کہ زمخشری ''الرشد'' کو قرآن مجید میں نکرہ استعمال ہونے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ مال میں تجارت اور تصرف کے تعلق سے یہ ایک خاص وضاحت ہے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ رشد تک پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ آدمی مال کے تعلق سے ہوشیار ہو جائے۔ یعنی مالی معاملات میں پختگی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے رشد کو مکمل کرلیا ہے۳۶۔

اسی طرح کی بات امام رازی بھی فرماتے ہیں:

لاشک ان المراد من ابتلاء الیتامی المامور بها هو ابتلاء هم فیها یتعلق بمصالح حفظ المال، وقد قال الله تعالیٰ بعد ذالک الامر فان آنستم منهم رشدا فیجب ان یکون المراد :فان آنستم رشداً فی ضبط مصالحه، فان لم یکن المراد ذالک تفکک النظم ولم یبق للبعض تعلق بالبعض و اذا اثبت هذاعلمنا ان الشرط المعتبر فی الآیة هو حصول الرشد فی رعایة مصالح المال لا ضربامن الرشد کیف کان۳۷۔

(اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یتیم کی عقلی پختگی کو ناپنا ہو تو اس کو مال کی حفاظت پر مامور کردیا جائے۔ جیسا کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا فان ''آنستم منهم رشداً'' یہاں ہمارے لیے مناسب یہ ہے ہم رشداً سے معاملات میں پختگی کو لیں اس لیے اگر ہم یہ مراد نہیں لیں گے تو نظم کمزور پڑ جائے گا اور آیت کے ایک ٹکڑے سے دوسرے حصہ کا ربط باقی نہیں رہے گا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دینی اعتبار سے عقل کی پختگی میں مالی مصالح بھی پوشیدہ ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہاں رشد سے کچھ اور مراد لیا جائے۔)

یتیم کے مال میں تصرف کے ضوابط

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ولی یا سرپرست بچے کے مال کو کسی

مصلحت یا نقصان سے بچانے کی غرض سے اس میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔حنفیہ ۳۸ کا موقف یہ ہے کہ ولی چھوٹے بچے کے مال اور تبرعات میں سے کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔اس لیے کہ اس میں یتیم کا سراسر نقصان ہے۔اسی طرح ولی نہ اس کے مال کو قرض میں دے سکتا ہے، نہ وصیت کرسکتا ہے، نہ اس میں سے صدقہ کرسکتا ہے، نہ اس کی بیوی کو وہ طلاق دے سکتا ہے۔اور نہ ہی اس کے مال میں سے کوئی چیز بغیر کسی عوض کے ھبہ کرسکتا ہے۔بغیر کسی عوض کے ھبہ نہ کرنے کا مسلک امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے۔اس لیے کہ ھبہ بالعوض معاوضہ بن جاتا ہے۔اور ولی ھبہ کا مالک نہیں ہوگا۔امام محمد کے نزدیک ھبہ بالعوض اس لیے جائز ہے کہ یہ بیع کے معنی میں ہے۔البتہ یتیم کا مال قرض پر دینا درست ہے۔اس لیے کہ اس کے محفوظ ہونے کے باب سے ہے۔اور ولی کو یہ حق ہے کہ وہ یتیم کی طرف سے وصیت، ھبہ اور صدقہ قبول کرسکتا ہے،اس لیے کہ اس میں بچے کا سرتاسر نفع ہے۔اس کا ذمہ دار ولی ہوگا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ (خیر الناس انفعھم للناس) لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لیے بہتر ہو ۳۹۔اسی طرح ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ نابالغ کے مال کو بطور عاریت دے دے۔اور دوسرے نابالغ کو رہن پر بھی دے سکتا ہے۔کیونکہ یہ تصرف تجارت کی قبیل سے ہوگا۔

نابالغ یتیم کے مال کے ذریعہ تجارت کی غرض سے ولی کا سفر کرنا، مضاربت کرنا اور اس دوران کھانا پینا، ناشتہ پانی، سفر کے اخراجات مثلاً کرایہ وغیرہ کی مد میں یتیم کے مال کو خرچ کرنا درست ہے، کیونکہ یہ ایسے اخراجات ہیں جو ناگزیر ہیں۔ولی کے لیے یتیم کی غیر منقولہ جائداد کی بیع اصول انصاف کے ساتھ جائز ہے۔لیکن ضروری ہے کہ وہ اسے مثلی قیمت یا مثلی قیمت سے زیادہ میں فروخت کرے۔البتہ وصی کے لیے جائز نہیں ہوگا کہ وہ بغیر کسی خاص ضرورت کے غیر منقولہ جائداد کو فروخت کرے۔مثلاً اگر قرض لینے سے بچانا ہو اور اس کی بیع کے بغیر چارہ نہ ہو تو مفتی بہ قول ہے یہ کہ وصی قاضی کی اجازت سے ہی فروخت کرسکتا ہے اور قاضی چاہے تو اس کو رد بھی کرسکتا ہے۔

باپ اور دادا کے لیے جائز ہے کہ وہ چھوٹے بچے کا مال اپنے لیے بھی خریدے

اور چھوٹے بچے کی طرف سے اپنے لیے بیچ بھی سکتے ہیں مثلی قیمت پر یا اس قیمت پر جس میں جتنا لوگ عادتاً کم کر لیتے ہیں اور اگر دھوکہ نظر آ رہا ہو تو جائز نہیں۔ اس سلسلہ میں وصی کی بیع قاضی کی اجازت کے بغیر نافذ ہی نہیں ہوگی اور اگر قاضی کے پیش نظر بچے کی کوئی بھلائی ہو تو وہ اس بیع کو فسخ بھی کر سکتا ہے۔

امام محمد کے نزدیک یتیم کی غیر منقولہ جائداد میں خرید و فروخت وصی کے لیے جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس میں یتیم کے لیے خیر ہو تو وصی کے لیے بیچنا اور اس سے خریدنا دونوں جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ اور خیر کی وضاحت یہ کی ہے کہ چھوٹے بچے کا وصی مثلی قیمت پر ثلث قیمت کا اضافہ کر کے خریدے۔ مثلاً اگر کسی اجنبی سے دس روپے میں خرید رہا ہو تو یتیم سے پندرہ میں خریدے۔ مالکیہ[۴۰] کا کہنا ہے کہ چھوٹے بچے کے مال میں ولی کو تصرف کی اجازت مصلحتاً دی گئی ہے۔ باپ کو اپنے مجور بیٹے کا مال فروخت کرنے کی مطلق اجازت ہے چاہے منقولہ جائداد ہو یا غیر منقولہ۔ کسی بھی حالت میں اس پر اعتراض نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس سے بیچنے کی وجہ پوچھی جائے گی۔ اس لیے کہ اس کا تصرف مصلحت پر محمول ہوتا ہے۔ نیز اس کو حق حاصل ہے هبہ بالثواب یعنی هبہ بالعوض کا حق حاصل ہے۔

اور رہا وصی تو وہ بغیر کسی اہم ضرورت کے مجور کی غیر منقولہ جائداد کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سے وہ محض ثواب کی نیت سے مجور کے مال کو هبہ بھی نہیں کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ اگر مال موهوب هلاک ہو جائے تو ہلاکت کے دن جو قیمت ہوگی وہی لازم آئے گی۔

حاکم بھی مجور کے مال کو وصی ہی کی طرح کسی اہم ضرورت کے وقت ہی فروخت کر سکتا ہے۔ مثلاً نفقہ کی ادائیگی ہو، قرض چکانا ہو یا اسی طرح کی کوئی خاص ضرورت ہو۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا۔

وصی اور حاکم کا ضرورتاً مجور کی غیر منقولہ جائداد فروخت کرنے کے جواز کے بارے میں مالکیہ نے گیارہ اسباب بیان کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱- کوئی واضح ضرورت ہو مثلاً نفقہ اور قرض کی ادائیگی، مگر قیمت کے بقدر ہی۔

۲- کسی ظالم کا خوف ہو کہ اس کو غصب کر لے گا۔ یا یہ کہ اس پر ظلم کا اندیشہ ہو اور وہ اس کا دفع نہ کر پائے۔

۳- ظاہری مصلحت ہو۔ مثلاً مثلی قیمت سے ثلث یا اس سے زیادہ قیمت بڑھا کر فروخت کرے۔

۴- اس پر ناجائز ٹیکس لگا دیا گیا ہو تو اسے اس لیے بیچ دیا جائے گا اور اس سے ایسی کوئی چیز خریدی جائے گی جس پر ٹیکس نہ ہو۔ لیکن پہلا والا حصہ زیادہ ہو تو اس وقت نہیں بیچا جائے گا۔

۵- وہ کوئی مشترکہ جائداد ہو تو اس کو بیچ کر ایک مستقل الگ جائداد خرید لے۔

۶- کہیں چھوٹا سا قطعہ ہو جس کی علیحدہ کوئی حیثیت نہ بنتی ہو تو اس کو بیچ کر یا بدل کر اس سے بڑا قطعہ لے لے۔

۷- یا یہ کہ کوئی غیر منقولہ جائداد برے پڑوسیوں کے درمیان ہو یا ذمی پڑوسیوں کے درمیان ہو جو کہ دین و دنیا دونوں اعتبار سے بہتر نہیں ہے تو اس کو بیچ کر یا بدل کر اچھے پڑوسیوں کے درمیان خرید لے۔

۸- یا ایسی مشترک جو ناقابل تقسیم ہو تو دوسرے بیچنے والوں کے ساتھ وہ شریک ہو جائے۔

۹- مکان یا جائداد کے برباد ہونے کا اندیشہ ہو اور مجور کے پاس اتنا پیسہ نہ ہو کہ وہ اس کی مرمت کرا سکے تو برباد کرنے سے بہتر ہے کہ اسے بیچ دے۔

۱۰- برباد ہونے کا اندیشہ ہو اور اس کے پاس اس کی مرمت کرانے کے لیے پیسہ بھی ہو مگر مرمت کرانے سے بہتر بیچنا ہو تو بیچ دے۔

۱۱- کسی ویرانے میں ہو تو اس کو آبادی میں منتقل کر دے۔

فقہاء شافعیہ[۱۲] کی رائے میں مصلحت کا تقاضا ہو تو مجور کے لیے ولی کا تصرف کرنا واجب ہے۔ پھر وہ اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ قاصر کے مال کے تلف ہونے کا

اندیشہ ہو تو اس کو بچانے کی غرض، یا اس کو بارآور بنانے کی غرض سے اور مال کو گردش میں رکھنے کی غرض سے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفقہ وغیرہ مومن کے مال کو ختم کر دیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے۔

من ولي يتيما، وله مال فليتجر فيه ولا يتركه حتى تاكله الصدقة ۴۲۔ (جو کسی یتیم کا ولی ہو، اور یتیم کے پاس مال ہو تو ولی کو چاہیے کہ وہ اس کے مال میں تجارت کرے۔ اس کو یوں ہی نہ چھوڑ دے کہ وہ کم ہوتا رہے)۔

یتیم کی غیر منقولہ جائداد کو صرف دو صورتوں میں بیچا جا سکتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ نان نفقہ کی ادائیگی کے لیے ولی کے پاس غیر منقولہ جائداد کو بیچنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔ اور نہ ہی قرض حاصل کرنے کی کوئی صورت ہو یا پھر قرض لینے کی صورت میں کسی پیچیدگی کا اندیشہ ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ظاہری مصلحت کا تقاضا ہو مثلاً کسی شریک یا پڑوسی کی وجہ سے اس کی قیمت زیادہ مل رہی ہو جب کہ اتنی ہی جائداد پر دوسری صورت میں قیمت کم ہو یا اس پر خراج زیادہ آ رہا ہو یا پھر نفع سے زیادہ نقصان ہو ایک معمولی ٹکڑا ہونے کی وجہ سے۔

ولی، وصی یا حاکم میں سے کسی کے لیے بھی درست نہیں ہے کہ وہ چھوٹے بچے کے مال میں سے اپنے لیے کچھ بھی خریدے یا بیچے یا اس کے مال کو خود رہن پر لے۔ اس میں مال کے ہڑپ جانے کا گمان ہوگا۔ مگر باپ کو اس کی اجازت ہے اس لیے کہ وہ وفور شفقت اور خیر خواہی کے پیش نظر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا ہے کہ جس سے بیٹے کو نقصان ہو۔ ولی پر واجب ہے کہ وہ دونوں کے مال کی زکوٰۃ نکالے اور مناسب نہیں کہ وہ ان کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرے اور اس کے نقصان کو برداشت نہ کرے اس لیے کہ یہ اس کے علاوہ اور کس چیز کی ذمہ داری ہے۔

ولی یتیم اور مجنون کے مال سے تجارت کے لیے سفر کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ دارالاسلام اور دارالامن دونوں میں سفر بغرض تجارت نفع بخش ہے۔ اور ولی اپنے مال کے لیے بھی سفر کر رہا ہو تو اس میں کوئی اجرت نہیں ہوگی اور نفع پورا کا پورا مولیٰ علیہ کے لیے

ہوگا۔ اس لیے کہ یہ مال کو بڑھاتا ہے۔ اور تجارت کو روک رکھنے سے بہتر ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ فرماتے تھے۔

ولی کو چاہیے کہ وہ زیر کفالت بچے کو خطاطی، تیر اندازی اور ادب وغیرہ کی تعلیم دے جس سے کہ اس کو فائدہ ہو۔ اس مقصد کے لیے وہ اس کا مال اس پر خرچ کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کے فائدہ کے لیے ہے۔ اور وہ کوئی پیشہ اختیار کرنا چاہے۔ جس کے اختیار کرنے میں مصلحت آڑے نہ آ رہی ہو تو حاکم کی اجازت کے بغیر بھی درست ہے۔ اگر غیر منقولہ جائداد کی قیمت زیادہ نہ مل رہی ہو تو اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں ہو سکتی ہیں جن کی وجہ سے یتیم کی غیر منقولہ جائداد کو بہتری کے خیال سے ولی بیچ سکتا ہے۔ ان میں بعض صوتیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

☆ نان و نفقہ کے لیے یا قرض ادا کرنے کی غرض سے یا اسی طرح نابالغ اور مجنون کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے غیر منقولہ جائداد کو فروخت کرنے کے سوا اور کوئی صورت نہ ہو۔

☆ جائداد کے ہلاک ہونے، غرق ہونے، جلنے یا کسی اور طریقے سے برباد ہونے کا اندیشہ ہو۔

☆ جائداد کسی بنجر و غیر آباد علاقہ میں ہو۔ جس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہو تو اس کو فروخت کر کے آبادی والے علاقے میں خرید لے تاکہ اس کا نفع زیادہ ہو۔

☆ ممکن ہے جائداد ایسی جگہ ہو جہاں لڑکے کو ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو، برے پڑوس یا کسی اور وجہ سے یا کوئی اور خاص مصلحت پیش نظر ہو تو مثل قیمت پر فروخت کیا جا سکتا ہے۔

یتیم کے مال کی حوالگی کے وقت گواہ مقرر کرنا

اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے کہ یتیم کا مال اس کے حوالے کرتے وقت گواہ مقرر کر لو۔ جیسا کہ سورہ نساء کی درج ذیل آیت میں ہے۔

" فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللّٰهِ حَسِيباً"
(النساء:۴/۶) (پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنالو اوراللہ حساب کے لیے کافی ہے)۔

اس کی تفسیر میں امام شوکانی فرماتے ہیں:

ای اذا حصل مقتضی الدفع فدفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم انھم قد قبضوھا منکم لتدفع عنکم التھم و تامنوا عاقبۃ الدعاوی الصادرۃ منھم [۴۳]۔
(اور جب مال ان کے حوالہ کرنا مناسب ہو تو ان کا مال اُن کے حوالے کردو۔گواہ مقرر کرلو کہ اس نے اپنا مال تم سے قبضہ میں لے لیا ہے تا کہ تم پر تہمت نہ عائد ہو اور آئندہ ان کی طرف سے کیے جانے والے دعووں سے حفاظت ہو سکے)۔

گواہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ یہ فرض ہے؟ یا مستحب؟ جصاص [۴۴] اور خازن [۴۵] وغیرہ [۴۶] کے بیان کے مطابق یہ مستحب ہے۔جصاص نے اپنی رائے کو مدلل کرتے ہوئے فرمایا کہ سرپرست کی بات بغیر شہادت کے تسلیم کی جائے گی۔اور تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب ولی یتیم کے مال کی حفاظت پر مامور ہے تو اس کے معاملہ میں بغیر شہادت کے اس کی تصدیق بھی کی جائے گی۔اس لیے کہ تمام فقہاء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ وصی یتیم کے مال کی حفاظت پر مامور ہوتا ہے امانت کے طور پر یہاں تک کہ مال کو یتیم کے حوالے اس وقت کرے گا جب وہ اس کا مستحق ہو جائے۔لہذا یہ مال ودیعت ،مضاربت اور امانت کے طور پر ہے تو ضروری ہے اسے واپس کرنے کے سلسلہ میں وصی کی بات مانی جائے جیسا کہ ودیعت کو لوٹانے میں اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور وہ اس کا ضامن نہیں قرار پاتا ہے [۴۷]۔

یہ تو جصاص حنفی کی رائے تھی۔رہے رازی شافعیؒ تو ان کا خیال یہ ہے کہ گواہ مقرر کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق "فاشھدوا علیھم" اس وجہ سے کہ یہاں "الاشھاد" امر کے صیغہ سے آیا جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔اور اس لیے بھی کہ وصی ایسا امین نہیں جس کی بات مانی لی جائے جب وہ اس بات کا دعویٰ کرے کہ یتیم کا مال اس کے

حوالے کردیا ہے وکیل کی طرح۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وکیل اگر دعویٰ کرے کہ اس نے زید کو وہ دے دیا جس کا عدالت نے حکم دیا تھا، تو اس کا قول دلیل کے ساتھ مانا جاتا ہے۔ اسی طرح وصی کا بھی مسئلہ ہے [۴۸]۔ ہمارے خیال سے گواہ ٹھہرانے والوں کا مذہب راجح ہے۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے وصی پر تہمت باندھنے کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یتیم اپنے مال کو حاصل کرنے کے بعد انکار بھی نہیں کرسکتا ہے۔ اسی ضمن میں سب سے اچھی بات تو رازی نے کہی ہے انھوں گواہ مقرر کرنے کے درج ذیل وجوہ بیان کیے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ یتیم کا اپنے مال پر قبضہ ہوگا اور واضح ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ جب یتیم اس سلسلہ میں غلط بیانی کرے گا تو وصی گواہ کھڑا کرسکتا ہے کہ اس نے اس کے مال کو لوٹا دیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وصی کی امانت داری ظاہر ہو جائے گی اور تہمت سے بری ہو جائے گا [۴۹]۔

اسی بات کی پرزور تائید ابن عربی نے یہ کہتے ہوئے کیا ہے کہ: **ان الاشهـــاد للتنبية على التحقيق والارشاد على ان كل مال قبض على وجه الامانة بانهاء لا يبرا منه الابانهاء على دفعه** [۵۰] (گواہ مقرر کرنا نگراں کے طور پر ہے۔ تاکہ وہ نظر رکھے کہ یتیم کا مال پر قبضہ ہوا یا نہیں۔ اس لیے کہ وصی اس وقت تک یتیم کے معاملات سے بری نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ یتیم کو اس کا مال سپرد نہ کردے)۔

یتیم کے مال پر گواہ بنانے کا یہی مطلب اس آیت کریمہ کا بھی ہے کہ **فَـــإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ** (النساء:۴/۷)

اس آیت کے دو اور مفہوم بھی ہیں جن کا ذکر امام شوکانی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ ایک یہ کہ ''ان الاشهـا د المشروع'' کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء یتیموں پر ان کے رشد کو پہنچنے سے پہلے جو کچھ ان پر خرچ کریں اس پر ضرور گواہ مقرر کریں۔ دوسرا مطلب یہ کہ اگر اولیاء یتیم کے مال کو قرض پر دیں تو اس پر گواہ مقرر کریں۔ پھر وہ کہتے ہیں نظم قرآن کی رو سے اس آیت سے بظاہر یتیم کا مال اس کو واپس کرتے وقت گواہ مقرر کرنے کی

مشروعیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور یہ نظم انفاق قبل الرشد کو بھی شامل ہے اور بعد الرشد بھی۔ یعنی رشد کے بعد یتیم کے تمام مال کو اس کے حوالے کرتے وقت گواہ مقرر کرنے کو بھی شامل ہے ۵۱۔ امام قرطبی کی بھی رائے یہی ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ:

الصحیح ان اللفظ "فاشھدوا" یھم ھذہ وسواہ ۵۲۔ (صحیح یہ ہے کہ لفظ "فاشھدوا" عام ہے، اس میں دونوں صورتیں شامل ہیں)۔

یتیم کے مال کو ظلماً کھانے کی ممانعت

"وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِيراً" (النساء: ۲/۴) (یتیموں کے مال ان کو واپس دو، اچھے مال کو برے مال سے نہ بدلو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے)۔

یہ آیت کریمہ اس آیت (یا ایھاالناس اتقوا ربکم) کے فوراً بعد آئی ہے۔ ان دونوں آیتوں کے درمیان ایک خاص مناسبت ہے اور وہ یہ کہ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت دی تھی اس آیت میں اس کی ایک مثال بیان کی ہے کہ یتامی جن کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی ان سے بے پناہ محبت وشفقت کا معاملہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اس صورتِ حال کی مناسبت سے جب کہ انھیں اپنے گھر میں شفقت ورحمت اور مودت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ان کے ساتھ حسن معاملہ کرو اور ان کو ان کا مال دو۔

پہلے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی۔ اس کے بعد وہ بات شروع کی جارہی ہے جس کا تعلق یتیم پر لطف وکرم سے ہے۔ ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس باب میں انھیں تقوی اختیار کرنے کی ہدایت دی گئی ہے ۵۳۔ مذکورہ آیت کے شان نزول سے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ غطفان کے ایک شخص کے پاس بہت سارا مال تھا اور اس کا بھتیجا یتیم تھا۔ جب وہ بچہ سن شعور کو پہنچا

اور اپنا مال طلب کیا تو اس کے چچا نے اس کا مال دینے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تو اس کے چچا نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ بڑے گناہ سے مانگتا ہوں اور اس نے اس کا مال لوٹا دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا جو اپنے نفس کے بخل یا حرص سے محفوظ رہا اور مال کو اسی طرح واپس کر دے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پس جب نوجوان نے مال کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے لگا تو نبی ﷺ نے فرمایا ''اجر ثابت ہوا اور بوجھ باقی رہا'' تو پوچھا گیا کہ وہ کیسے اے اللہ کے رسول ﷺ ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچے کو اس کا اجر ملے گا اور اس کے والد پر بوجھ باقی رہے گا اس لیے کہ وہ مشرک تھا۵۴۔

اس آیت میں جہاں یتیموں کے مال کو ان کے حوالے کرنے کا حکم ہے وہیں ان کے مال میں پھیر بدل کرنے اور اسے غلط طور پر استعمال کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ ولی یا سرپرست کو اس کی اجازت نہیں کہ یتیم کے مال میں سے اچھا لے لے اور اس کے بدلہ اسے خراب مال دے دے۔ سدی کی مثال کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی یتیم کی موٹی بکری لے لیتا تھا اور اسے دبلی وکمزور دے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ بکری کے بدلے بکری۔ اسی طرح کھرے درہم کے بدلے کھوٹے درہم دے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ درہم کے بدلے درہم ۵۵۔ اس سلسلہ میں سعید ابن المسیب الازھری کا یہ قول منقول ہے کہ: نہ دبلا دو اور نہ موٹا لو۵۶۔

دوسری آیت:

" فَادْفَعُواْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَأْكُلُوهَا إِسْرَافاً وَبِدَاراً أَن يَكْبَرُواْ "
(النساء:۴/۶) (پس انھیں ان کے مال حوالہ کر دو اور ان کے مال جلدی جلدی نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کریں گے)۔

یعنی یتیم کے مال کو خرچ کرنے میں اس ڈر سے جلدی بازی نہ کرو کہ یتیم بڑا ہو کر اپنے مال کا مطالبہ کرے گا۔ یہاں قرآن مجید میں ''اکل'' کے لفظ سے ''اخذ'' کا مفہوم ذہن نشیں کرانا چاہتا ہے، اس لیے کہ یہ (کھانا) ماخوذ شئی سے انتفاع کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتا ہے، نیز اسے اسراف سے تعبیر کیا کیونکہ وہ شخص حد مباح کو تجاوز کر کے ناجائز

تک پہنچ جاتا ہے۔

اس آیت کے تعلق سے امام شوکانی کہتے ہیں کہ ''اسراف لغت میں افراط اور حد سے گزر جانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نصر بن شمیل کہتے ہیں کہ اسراف تبذیر کے معنیٰ میں ہے اور ''بدارۃ'' ''مبادرت'' کے معنیٰ میں ہے۔ مطلب یہ کہ یتیموں کا مال خرچ کرنے میں نہ تو اسراف کرو اور نہ ہی مبادرت کرو۔ مبادرت کا مطلب خرچ کرنے میں جلدی کرنا اس خوف سے کہ یتیم بالغ ہوکر اپنا مال لے لے گا۔ یا یہ کہ تم یتیموں کے مال کو فضول خرچی اور مبادرت کرنے والوں کی طرح استعمال نہ کرو جب تک کہ وہ بڑے نہ ہو جائیں۔ اور یہ کبھی نہ سوچو کہ یتیموں کا مال جیسے چاہیں خرچ کرلیں، اس سے پہلے پہلے کہ وہ بالغ ہو جائیں اور اپنا مال لے لیں ۵۷۔

تیسری آیت:

''إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً'' (النساء:۴/۱۰) (جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں، در حقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے)۔

اس آیت کریمہ میں یتیم کے مال کو ناجائز طور پر کھانے والے شخص کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہو اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ یعنی یہ ناجائز مال آگ ہے جسے وہ کھا رہے ہیں۔ یتیم کے مال کو غلط طور پر کھانے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آگ کھا رہا ہے اور آگ جو بھڑکی ہوئی ہو تو یہ آگ ان کے پیٹ اور جلد دونوں کو جھلس دے گی۔ یہ آگ اندر بھی ہوگی اور باہر بھی۔ ایسی مجسم آگ جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے یہ آگ ان کے ظاہر و باطن کو جھلس دے گی ۵۸۔

یتیم کا مال معروف طریقے سے کھانے کی اجازت

سورہ نساء میں اس بات کی بھی وضاحت موجود ہے کہ یتیم کے مال کو دستور کے

مطابق استعمال کیا جاسکتا ہے۔جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے:

"وَمَن كَانَ غَنِيّاً فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ" (النساء:۵/۴) (اور یتیم کا سرپرست جو مال دار ہو وہ پرہیز گاری سے کام لے اور غریب ہو وہ معروف طریقے سے کھائے)۔اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر ولی مالدار ہے تو اس کو یتیم کے مال کو استعمال کرنے سے بچنا چاہیے اور اگر غریب ہے تو معروف طریقہ سے استعمال کرسکتا ہے۔اس سلسلہ میں علماء کے مابین اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ان میں سے بعض آراء ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

۱-ولی اگر غریب ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ زیر سرپرستی یتیم کے مال میں سے بلا شرط استعمال کرے۔اس کی دلیل حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ،میرے پاس مال نہیں ہے۔ہاں ایک یتیم ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے یتیم کے پاس جو مال ہے اس میں خرچ کرسکتے ہو بس فضول خرچی نہ کرنا اور نہ یتیم کے مال کو خرچ کرکے اپنے مال کو بچانے کی کوشش کرنا ۵۹۔

۲-غریب ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے مال میں سے اس قدر حاصل کرے جتنا کہ اس کو بارآور بنانے میں صرف کرنا چاہتا ہے۔اس کی تائید میں اسی روایت کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے جسے پہلی رائے کے حاملین نے پیش کی ہے اور آیت کے ان الفاظ سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔"ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلماً" ان کا کہنا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یتیم کا مال کبھی ظلماً کھایا جاتا ہے اور کبھی بغیر ظلم بھی، اس سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو "ان الذین یاکلون" کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔سرپرست کے لیے معروف طریقہ کے مطابق اس کے مال کو استعمال کرنا جائز ہے۔

۳-غریب ولی یتیم کے مال کو بطور قرض اس قدر لے سکتا ہے جتنا کہ وہ اسے بآسانی ادا کرسکے۔اس رائے کے قائلین حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں:الا انی انزلت نفسی من مال اللہ منزلۃ الولی من مال

الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف فاذا ایسرت قضیت ۶۰؎ (سنو! یتیم کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یتیم کا ولی اگر مالدار ہوتو اسے یتیم کے مال کو استعمال کرنے سے بچنا چاہیے اور اگر غریب ہوتو معروف کے مطابق اس میں سے استعمال کرنا چاہیے)۔

مذکورہ آراء میں ہمارے نزدیک راجح رائے یہ ہے کہ غریب ولی بغیر کسی شرط اور ضمان کے اس یتیم کے مال کو خرچ کرسکتا ہے جس کے مال کو بارآور اور نفع بخش بنانے کے مقصد سے استعمال کرتا ہے۔ جو کچھ اس کے بدلے لے گا اس کی حیثیت اجرت کی ہوگی اور اجرت کے تعلق سے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ "اعط الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ "۶۱؎(مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو) اسی مفہوم کی ایک روایت اور ہے: من استاجر اجیرا فلیعلمہ اجرہ ۶۲؎(جو کوئی کسی مزدور سے مزدوری کرائے تو اسے چاہیے کہ اس کی اجرت بتادے)۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: قال اللہ عز وجل: ثلاثة انا خصمهم یوم القیامة ، رجل اعطی بی ثم غدر، ورجل باع حرّا فاکل ثمنہ ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعطہ اجرہ ۶۳؎ (اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ روز قیامت تین لوگ ایسے ہوں گے کہ جن کے مقابل میں فریق بن کھڑا ہوں گا۔ ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا اور پھر اسے توڑ دیا اور دوسرے وہ جو آزاد کو بیچے اور اس کی قیمت کھائے، اور تیسرا وہ شخص جو مزدور کو مزدوری پر لے، اس سے فائدہ اٹھائے اور اس کی مزدوری نہ دے)۔

یتیم کا میراث میں حق

سورہ نساء کی دو آیات میں تاکیداً یہ بیان کیا گیا ہے کہ یتیم خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، میراث میں ان کا حق فرض ہے بڑوں کی طرح اور انھیں کے برابر، اب ان دونوں آیتوں کی تفصیل ملاحظہ ہو:" لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيباً مَّفْرُوضاً"

(النساء:۴؍۷) (مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے)۔

اس آیت کی تشریح میں مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت اوس بن ثابت انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب وہ وفات پا گئے تھے۔ انھوں نے ورثہ میں ایک بیوی جن کا نام ام کجہ تھا اور تین بیٹاں چھوڑیں۔ ان کے خاندان کے دو لوگوں نے، جو ان کے چچازاد تھے اور ان کا نام سوید اور عرفجہ تھا، ان کی پوری وراثت ہڑپ کرلی اور ورثہ کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ اس لیے کہ دورِ جاہلیت میں عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اگر وارث کوئی لڑکا ہوتا تو وہ کہتے کہ اس کو وراثت نہ دی جائے جب تک کہ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر جنگ، نیزہ بازی اور تیر اندازی کے ذریعہ اپنے مال کے تحفظ کی اہلیت نہ ثابت کرسکے۔ چنانچہ اس کا تذکرہ ام کجہ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے ان دونوں کو بلوایا۔ تو ان دونوں نے یہ جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ان کا بیٹا نہ تو گھڑسواری کرسکتا ہے، نہ اپنا بوجھ اٹھا سکتا ہے اور نہ ہی دشمنوں سے لڑسکتا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ تم دونوں چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم آجائے۔ تو یہ آیت ان کی بات کی رد میں نازل ہوئی جو انھوں نے اپنی جہالت کی بنیاد پر کہی تھی۔ حقیقت یہ کہ چھوٹے بچے بڑوں سے زیادہ وراثت کے حق دار ہیں، ان کی صورت حال اور ان کی کمزوری کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پس ان لوگوں نے حکم کو ہی بدل دیا۔ اپنی خواہشات کی پیروی کی اور راہ راست سے بھٹک گئے۔ نبی کریم ﷺ نے سویدار اور عرفجہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اوس کے مال میں سے تقسیم کرنے میں کچھ بھی تفریق نہ کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کے لیے حصہ مقرر فرمایا ہے لیکن ابھی یہ بیان نہیں فرمایا ہے کہ مقدار کتنی ہے۔ لہذا میں اپنے رب کے حکم کا انتظار کررہا ہوں۔ اس کے بعد یہ آیت ”یوصیکم اللہ فی اولادکم“ (النساء:۴؍۱۱) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان دونوں کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ام کجہ کو مال متروکہ میں سے ($\frac{1}{8}$) حصہ دیں اور اس کی

لڑکیوں کے لیے دو ثلث (۲/۳) اور بقیہ مال تم دونوں کے لیے ہے۶۴؎۔

یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب معاشرہ میں یتیم اور عورتوں کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے تھے کہ یتیم اور عورتیں دونوں اس لائق نہیں ہوتے ہیں کہ قبیلہ کی حفاظت اور اس کا دفع کرسکیں۔ اس لیے ترکہ سے صرف بڑے لوگ ہی مستفید ہوتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے اس غیر منصفانہ سلوک کو ختم کیا اور میت کی اولادوں میں بیٹوں اور بیٹیوں دونوں کو وراثت کا مستحق قرار دیا۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالی نے کئی طرح سے تاکید فرمائی ہے۔ پہلی تاکید یہ کہ اللہ تعالی نے دونوں کے حصہ کو الگ الگ کرکے بیان فرمایا ہے:

" لِّلرِّجَالِ نَصيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاء نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالأَقْرَبُونَ" ۔ دوسری تاکید اللہ تبارک وتعالی نے اس حق ادائیگی کی تاکید" نصيباً مفروضا " کہہ کر فرمائی ہے۔ یعنی یہ ایسا حکم ہے جس پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ تیسری تاکید مکفول کے حق کے سلسلہ میں" قليلاً او كثيراً " کہہ کر کہ زیر کفالت کا حق خواہ کم ہو یا زیادہ کفیل یا سر پرست کو اس کا حق بہر صورت دینا ہے۔ پھر آگے کی آیت میں اللہ تعالی نے اس کی وضاحت فرمادی:

"يُوصِيكُمُ اللّهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاء فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَآؤُكُمْ وَأَبناؤُكُمْ لاَ تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً فَرِيضَةً مِّنَ اللّهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيما حَكِيماً" (النساء:۴/۱۱) تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اگر میت کے وارث دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انھیں ترکہ کا دو تہائی دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔ اور اگر وہ صاحب

اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی۔ یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے جب کہ وصیت جو میت نے کی ہو، پوری کردی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے، تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کردیے ہیں۔

یتیم کی میراث کی تعلق سے دوسری آیت یہ ہے:

"وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاء قُلِ اللّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاء الَّلاتِي لاَ تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَن تَقُومُواْ لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِهِ عَلِيماً" (النساء:۴/۱۲۷) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتوی پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تمہیں ان کے معاملے میں فتوی دیتا ہے، اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جارہے ہیں۔ یعنی وہ احکام جو ان یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو یا لالچ کی بنا پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو اور وہ احکام جو ان بچوں سے متعلق ہیں جو بیچارے کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھی بھلائی تم کروگے اللہ کے علم سے چھپی نہیں رہے گی۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: لا توتونهن ما كتب لهن فنهى الله عن ذالک وبين لكل ذى سهم سهمه فقال "للذكر مثل " صغيرا كان او كبيراً قاله سعيد بن جبير ۶۵۔ اسی طرح امام شوکانی نے بھی اس نکتہ پر خاص زور دیا ہے: والمستضعفين من الوالدان معطوف على يتامى النساء: اى ما يتلى عليكم فى يتامى النساء فى المستضعفين من الوالدان وهو قوله تعالىٰ "يوصيكم" وقد كان اهل الجاهلية لايورثون النساء ولامن كان مستضعفا من الولدان وانما يورثون الرجال القائمين بالقتال و سائر الامور ۶۶۔ المستضعفین کا عطف "یتامی

النساء ''پر ہے یعنی وہ حکم جو یتیم عورتوں اور کمزور بچوں کے بارے میں ہے تم کو بتایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالی کا یہ قول "یوصیکم'' دور جاہلیت میں لوگ عورتوں اور بچوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ صرف ان مردوں کو وارث قرار دیتے تھے جو قتال اور تمام امور کو انجام دے سکیں)۔

یتیمہ کا نکاح

سورہ نساء میں یتیمہ کے نکاح کے مسائل بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں تین آیات کا مطالعہ ذیل میں پیش کا جاہا ہے:

۱- "وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُواْ فِي الْيَتَامَى فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُواْ'' (النساء:۴/۳) اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین، تین، چار، چار، سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔ یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔

اس آیت کے سبب نزول کے تعلق سے حضرت عروہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا: اے میرے بھانجے! اس سے مراد وہ یتیم بچی ہے جو ولی کی پرورش میں ہو جو اس کے مال میں شریک ہو۔ اور ولی کو اس کا مال اور اس کا جمال بھا جائے۔ اور ولی اس سے نکاح کرنا چاہے مہر میں انصاف کیے بغیر تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اس طرح مہر ادا کرے جس طرح دوسرے کو ادا کرتے۔ اور اگر وہ اس کے ساتھ انصاف نہ کرسکے اور مہر کے معاملہ میں اس رواج کے مطابق سب سے اعلی کی پیروی نہ کرسکے تو اسے یتیمہ سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں میں سے

جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ جب صحابہ کرامؓ نے اس آیت کے نزول کے بعد اللہ کے رسول ﷺ سے استفسار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی (ویستفتونک فی النساء)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا قول (وترغبون ان تنکحوھن) [النساء:۴/۱۲۷] سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی یتیمہ کے قلیل المال اور کم جمال ہونے کہ وجہ سے کسی کو رغبت نہ ہو تو وہ اس سے نکاح نہ کرے بلکہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لے جس کے مال و جمال سے اس کو رغبت ہو مگر توازن و عدل کے ساتھ ۶۷۔

ابن عربی اس آیت (وان خفتم الاتقسطوا..) سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مہر مثل نکاح کے لیے فرض ہے اور یہ ساقط نہیں ہوگی جب تک بیوی ساقط نہ کر دے یا اس معاملہ میں جس کو وہ مالک بنا دے یعنی باپ۔ رہی بات وصی کی یا جو بھی اس سے مرتبہ میں کم ہو تو وہ اس کا نکاح مہر مثل پر ہی کرائے گا ۶۸۔ یہی موقف امام قرطبی کے یہاں مزید تاکید کے ساتھ ملتا ہے کہ غیر یتیمہ کے لیے تو مہر مثل سے کم میں بھی نکاح ہو سکتا ہے اس لیے کہ یہ آیت خاص طور سے یتیم لڑکیوں کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر یتیمہ کے لیے اس کے خلاف عمل کیا جا سکتا ہے ۶۹۔

۲- ''وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللاَّتِي لاَ تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَن تَقُومُواْ لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِهِ عَلِيماً '' (النساء:۴/۱۲۷) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تمہیں ان کے معاملے میں فتویٰ دیتا ہے، اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے ہیں۔ یعنی وہ احکام جو ان یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو یا لالچ کی بنا پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو اور وہ احکام جو ان بچوں سے متعلق ہیں جو بیچارے کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھی بھلائی تم کرو گے اللہ کے علم سے چھپی نہیں رہے گی۔

اس آیت کے سلسلہ میں روایت ہے کہ دور جاہلیت میں وراثت کے حقدار صرف ایسے مرد کو سمجھا جاتا جو اس عمر کو پہنچ گیا ہو کہ وہ مال کی حفاظت کر سکے اور اسے صحیح طریقے پر استعمال کر سکے۔ چھوٹے بچے اور عورتیں وراثت سے محروم رکھے جاتے تھے۔ وراثت کے تعلق سے سورہ نساء نازل ہوئی تو لوگوں پر بہت شاق گزرا اور وہ کہنے لگے کہ تو کیا اب وہ بچہ وارث ہوگا جو مال کی حفاظت بھی نہیں کر سکتا اور اسی طرح عورت بھی! یہ دونوں مردوں کی طرح کیسے وارث ہوں گے؟ اس لیے ان کو امید ہوئی کہ اس تعلق سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے کوئی وضاحت ضرور آئے گی۔ چنانچہ انھوں نے اس کا انتظار کیا۔ جب کوئی حکم نہیں آیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگر یہ ہوگیا تو اس کا نفاذ ضرور ہوگا۔ تو ان لوگوں نے کہا، چلتے ہیں نبی ﷺ سے اس بارے میں فتوی پوچھتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی ۷۰۔ اسی طرح حمید اور ابن جریر ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ یتیم بچی کو اس کی میراث نہیں دیتے تھے اور اس کو نکاح سے بھی روک دیتے تھے یہاں تک کہ اس کی موت ہوجاتی تھی تو اس کی وراثت پر قبضہ کر لیتے تھے۔ اس صورت حال میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۷۱۔

۳-"وَآتُواْ النَّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْساً فَكُلُوهُ هَنِيئاً مَّرِيئاً" (النساء:۴/۴) اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (ان کا حق جانتے ہوئے) ادا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب اولیاء یا سرپرست ہیں۔ ارشاد ہوا کہ چاہے یتیمات ہوں یا غیر یتیمات بیویوں کو ان کا مہر ادا کیا جائے گا۔ یہ حکم اس وجہ سے دیا گیا کہ دور جاہلیت میں لوگ ان سے لیتے تھے بجائے کچھ دینے کے۔ اس ضمن میں صاحب احکام القرآن امام قرطبی نے بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں ولی جب اپنے زیر پرورش یتیم بچیوں کا نکاح کرتے تھے تو ان کا حق مہر ادا نہیں کرتے تھے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اور اگر اجنبیہ سے نکاح کرتے تو اس کو اونٹ پر سوار کر کے اس کے شوہر کے پاس

بھیج دیتے تھے اور اس کو اس اونٹ کے سوا کچھ بھی نہیں دیتے تھے۔ تو یہ آیت "وآتوا النساء صدقاتهن نحلة" نازل ہوئی ۲۷۔

یتیم کے ساتھ حسن سلوک

سورہ نساء میں یتیموں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں دو آیتیں خاص اہمیت رکھتی ہیں ارشاد الٰہی ہے:

"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً" (النساء: ۳۶/۴) اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں، باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتیم کا اکرام اور اس کے ساتھ احسان کرنا ان اعمال صالحہ میں سے ہے جن سے بندہ کو اللہ رب العزت کی قربت نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح والدین، اقرباء، مساکین اور پڑوسیوں کے ساتھ احسان کرنا بھی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں خازن بیان فرماتے ہیں کہ یتیموں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنے کا مطلب ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا۔ اس لیے کہ یتیم دو اعتبار سے کمزور ہے ایک تو چھوٹا بچہ ہونے کی وجہ سے دوسرے باپ کے سایہ عاطفت کے اٹھ جانے کی وجہ سے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں میں اور یتیموں کی کفالت کرنے والا اس طرح ہوں گے اور آپ نے نگشت شہادت اور بیچ کی انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے بیچ سے ایک چیز نکال دیا ۳۷۔

اسی طرح اسی سورہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُوْلُوا الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفاً" (النساء: ۸/۴) اور جب وراثت کی تقسیم کے وقت رشتہ دار،

یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو۔

اس آیت میں یتیموں کو دینے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ میراث کی تقسیم کے وقت حاضر ہوں تو انھیں محروم نہ کیا جائے۔ اللہ تعالی کی واضح ہدایت ہے کہ جب قرابت دار، یتیم، مسکین وراثت کی تقسیم کے وقت موجود ہوں تو تم اس میں سے ان کو دو اور ان سے بھلی بات کہو۔ اس آیت کا نزول وراثت کی تقسیم والی آیت کے بعد واضح کرنے کے لیے ہوا ہے کہ جب میراث کی تقسیم کے وقت قرابت دار موجود ہوں جو وارث نہیں ہیں۔ اسی طرح یتیم اور مسکین تو ان کے لیے بھی اس میراث میں حصہ ہے، تقسیم کرنے والا اس طور پر کچھ دے دے کہ وارثین کو تکلیف نہ ہو یا ان کا دل نہ دکھے اور وہ خوش دلی سے اسے گوارا کرلیں۔ اس آیت کے حکم کا یہی منشا ہے۔

اسی رائے کو بعض فقہائے سلف نے بھی اختیار کیا ہے۔ مجاہد سے مروی ہے کہ وراثین پر، مساکین ویتیم کو اتنا دینا واجب ہے کہ جس سے وہ خود تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔ نیز حسن اور الزھری دونوں نے اس آیت سے یہ حکم نکالا ہے کہ ان کو اتنا دے دیا جائے کہ وارثین کا دل نہ دکھے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ ان کو تھوڑا دے دیا کرو اگر اس سے کم ہے تو ان سے معذرت کرلو[۹۳]۔

اوپر کے مباحث سے یہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ سورۃ النساء میں کمزور طبقات بالخصوص یتامی کے حقوق کے بارے میں تفصیلی احکام وارد ہوئے ہیں۔ یہ احکام اس پس منظر میں خاص اہمیت کے حامل ہیں کہ عرب معاشرہ میں اعزہ واقرباء کا ان کے مال و جائداد پر زبردستی قبضہ کرلینا اور ان کے حقوق کو پامال کرنا عام بات تھی اور مختلف طور پر وہ ظلم وزیادتی کا نشانہ بن رہے تھے۔ قرآن کریم میں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، ولی یا سرپرست کو یتیموں کے حقوق کے تحفظ کی بابت سخت ہدایات دی گئی ہیں اور ان کے ساتھ تعلقات و معاملات کی بابت ایسے اصول وضوابط وضع کیے گئے ہیں جو ان کے سماجی و معاشی حقوق کے تحفظ کی بخوبی ضمانت دیتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ کمزوروں کے حقوق سے

متعلق قرآنی قوانین و اخلاقی تعلیمات کی معنویت و افادیت موجودہ دور میں بھی پوری طرح مسلم ہے اور ان کے عملی نفاذ میں عصر حاضر کے بہت سے مسائل کا حل موجود ہے۔ اللہ کرے سب لوگوں کو ان پر عمل کی توفیق نصیب ہو، آمین ثم آمین۔

حواشی و مراجع

۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان

۲۔ سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب حق الیتیم

۳۔ جمال الدین ابن المنظور الافریقی، لسان العرب، مادہ: ی ت م

۴۔ شمس الدین القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، طبعۃ دار الشعب، ۱۵۰/۱

۵۔ لسان العرب، مادہ ی ت م

۶۔ ابوداؤد سلیمان بن الأشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء حتی ینقطع الیتیم

۷۔ اسماعیل بن عمر بن کثیر، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱۶۰/۱

۸۔ محمود بن عمرو بن احمد، الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، القاہرۃ، ۴۶۴/۱

۹۔ فخر الدین محمد بن عمر الرازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۵۰/۲

۱۰۔ محمد بن علی الشوکانی، فتح القدیر، بیروت، ۴۱۶/۱

۱۱۔ فتح القدیر، ۴۱۷/۱

۱۲۔ فتح القدیر، ۴۱۷/۱

۱۳۔ فتح القدیر، ۴۱۷/۱

۱۴۔ التفسیر الکبیر، ۲۲/۹

۱۵۔ محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (تحقیق محمود شاکر)، دار المعارف، قاہرۃ، ۱۹۶۰ء، ۲۲۰/۳

۱۶۔ شمس الدین القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دار الشعب، بیروت، ۳۴/۷

۱۷۔ محمد بن عبداللہ بن العربی، أحکام القرآن (تحقیق: علی محمد البجاوی)، بیروت، ۲/ ۲۷
۱۸۔ احمد بن علی ابوبکر الجصاص، أحکام القرآن، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۲/ ۳۴
۱۹۔ الہیثمی، مجمع الزوائد، القاہرة، ۳/ ۶۷
۲۰۔ احمد بن حسین البیہقی، السنن الکبری، بیروت، ۴/ ۱۰۷
۲۱۔ مالک بن انس بن مالک، الموطا، کتاب الزکوٰة، باب زکاة اموال الیتامی والتجارة لھم فیھا، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء، ۲/ ۳۵۳
۲۲۔ علی بن دینار الدارالقطنی، سنن الدار القطنی، ۲/ ۲۶۵
۲۳۔ المغنی لابن قدامة، بیروت، ۱۹۸۳ء، ۴/ ۲۶۸
۲۴۔ تفسیر الشوکانی، محولہ بالا، ۱/ ۴۲۶
۲۵۔ أحکام القرآن، محولہ بالا، ۲/ ۶۱
۲۶۔ تفسیر القرطبی، ۵/ ۳۵
۲۷۔ تفسیر القرطبی، ۵/ ۳۵
۲۸۔ معالم السنن، ۴/ ۱۵۰
۲۹۔ تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۴۵۲-۴۵۳
۳۰۔ ابوزھرہ، احوال الشخصیة، دار الفکر العربی، القاہرة، ۷/ ۵
۳۱۔ ابوالحسن علی الماوردی، الحاوی الکبیر، القاہرة، ۶/ ۳۴۹
۳۲۔ النووی، روضة الطالبین، القاہرة، ۳/ ۴۱۴
۳۳۔ الحاوی الکبیر، ۶/ ۳۴۹
۳۴۔ تفسیر ابن کثیر، ۲/ ۲۱۶
۳۵۔ ابن حزم الظاہری، المحلی، القاہرة، ۸/ ۲۷۹
۳۶۔ الکشاف، ۱/ ۳۴۸
۳۷۔ التفسیر الکبیر، ۹/ ۱۸۹
۳۸۔ ابوبکر الکاسانی، بدائع الصنائع، القاہرة، ۵/ ۱۵۳
۳۹۔ رواہ القضاعی عن جابر بن عبداللہ

٤٠۔ الشرح الكبير، ٢٩٩/٣
٤١۔ الشربینی، مغنی المحتاج، الحلبی، القاہرۃ، ١٩٥٨ء، ١٧٤/٢
٤٢۔ سنن ترمذی، باب ما جاء فی زکوٰۃ مال الیتیم، ٢٣/٣
٤٣۔ فتح القدیر، ٤٢٧/١ ٤٤۔ أحکام القرآن، ٦٨/٢
٤٥۔ تفسیر الخازن، ٣٢٦/١ ٤٦۔ فتح القدیر، ٤٢٧/١
٤٧۔ أحکام القرآن، ٦٩/٢ ٤٨۔ التفسیر الکبیر، ١٩٢/٩
٤٩۔ التفسیر الکبیر، ٩/١٩٢-١٩٣ ٥٠۔ أحکام القرآن، ٣٢٧/١
٥١۔ فتح القدیر، ٤٢٧/١ ٥٢۔ تفسیر القرطبی، ٤٥/٥
٥٣۔ شہاب الدین محمود بن عبداللہ الآلوسی، روح المعانی، القاہرۃ، ١٨٥/٤
٥٤۔ التفسیر الکبیر، ١٦٩/٩ ٥٥۔ التفسیر الکبیر، ١٦٩/٩
٥٦۔ التفسیر الکبیر، ٤٣٩/٩ ٥٧۔ فتح القدیر، ٢٣٣/٢
٥٨۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، القاہرۃ، ١٩٨٢ء، ٥٨٨/٢
٥٩۔ التفسیر الکبیر، ١٦٩/٩ ٦٠۔ تفسیر الطبری، ٥٨٢/٧
٦١۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الرھون، باب أجر الأجراء، ٨١٧/٢
٦٢۔ السنن الکبری للبیہقی، ١٢٠/٦
٦٣۔ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب اثم من باع حرا، ٨٢/٣
٦٤۔ تفسیر القرطبی، ٥/٤٦-٤٧ ٦٥۔ تفسیر ابن کثیر، ٥٦١/١
٦٦۔ تفسیر الشوکانی، ٥٢٠/١ ٦٧۔ فتح القدیر، ٤٢٣/١
٦٨۔ أحکام القرآن، ٥٠/٢ ٦٩۔ تفسیر القرطبی، ١٤/٥
٧٠۔ روح المعانی، ١٥٩/٥ ٧١۔ فتح القدیر، ٥٢٠/١
٧٢۔ تفسیر القرطبی، ٢٣/٥
٧٣۔ علی بن محمد الخازن، تفسیر الخازن لباب التاویل، بیروت، ١٩٧٩ء، ٢٥٤/١
٧٤۔ تفسیر الشوکانی، ١/٤٢٨-٤٣٠